# سہیل عظیم آبادی کی افسانہ نگاری

وہ عظیم افسانہ نگار جسے دنیا سہیل عظیم آبادی کے نام سے جانتی ہے۔ وہ انشاء پرداز جس نے اپنی عظمت کو عظیم آباد کے کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی عظمت کا پیمانہ چھلک ہی پڑا اور پوری اردو دنیا اس نام سے بخوبی آشنا ہوگئی عصر جدید کے اردو ادب پر سہیل صاحب نے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو شاید کبھی نہ مٹ سکیں اور یہی نہ مٹنے والے نقوش انہیں لافانی بنائے رکھیں گے۔

سہیل عظیم آبادی دراصل پریم چند کے معتقد تھے۔ سہیل عظیم آبادی کا تعلق عظیم آباد کے دیہات کے ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ لیکن انہیں زمینداروں کے اطوار و عادات سے سخت نفرت تھی۔ وہ ہر طبقہ، ہر پیشہ، ہر عمر اور ہر مکتب خیال کے لوگوں سے ٹوٹ کر ملتے تھے۔ ان کی تخلیقات سے یہ سبھی باتیں کلی طور پر واضح ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالمعنی رقم طراز ہیں۔

"کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، اختر اورینوی اور راجندر سنگھ بیدی کے بعد احمد ندیم قاسمی، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، ممتاز شیریں، ممتاز مفتی علی عباس حسینی اور حجاب امتیاز علی وغیرہ کی جو صف بنتی ہے۔ اس میں ایک نام سہیل عظیم آبادی کا بھی ہے..... اس صف میں سہیل عظیم آبادی کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے پریم چند کی روایت کو دور حاضر کے ایک تقاضے سے ہمکنار کیا۔"

سہیل عظیم آبادی کے افسانوں کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ بات صاف طور پر نظر آتی ہے کہ وہ اپنے مشہور و معروف پیش رو منشی پریم چند کے افسانوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ انہی کی طرح سہیل نے بھی دیہات اور شہر دونوں کے روز مرّہ کے واقعات کو افسانوں کا موضوع بنایا، کسانوں، مزدوروں اور نچلے طبقے کے ساتھ ساتھ متوسط طبقے کی نمائندگی بھی اپنے افسانوں میں کی۔ ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے فطرت یا حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔

سہیل عظیم آبادی نے اپنے افسانوی سفر کا آغاز کلکتہ سے کیا۔ کلکتہ سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار "اداکار" میں ۱۹۳۱ء کے شمارہ میں "سحر نغمہ" کے عنوان سے افسانہ لکھا۔ اس کے بعد افسانہ نگاری کا سلسلہ چلتا رہا اور افسانے مجموعوں میں تبدیل ہوتے رہے۔ ان کے افسانوں

کے تین مجموعے ہیں۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "الاؤ" ہے جو دس افسانوں پر مشتمل ہے دوسرا افسانوی مجموعہ "نئے پرانے" ہے جس میں تیرہ افسانے ہیں اور تیسرا مجموعہ "چار چہرے" ہے جو چار افسانوں سے مزین ہے۔ اس کے علاوہ ایک ناولٹ "بے جڑ کے پودے" ہے جو بہت ہی شہرت پا چکا ہے۔ اور بھی بہت ساری خدمات ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔

سہیل عظیم آبادی کی کہانیاں اپنے موضوع اور پیشکش دونوں ہی اعتبار سے سادہ اور تکلف سے پاک ہیں۔ اس سادگی میں ایسی پرکاری اور رنگینی ہے کہ حسن بے ساختہ کا مزہ آتا ہے۔ پریم چند کے بعد آج تک درجنوں افسانہ نگار ہوئے ہیں لیکن سہیل کے اسلوب میں جو سادگی، سکون اور قرار ہے وہ کسی میں نہیں ہے۔ یہی نہیں اس سادگی میں ایک طرح کی مقناطیسی کشش ہے۔ ان کی اس صفت سے متاثر ہوکر کرشن چندر کہتے ہیں:

"سہیل کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ معنوی اور غیر ضروری مکالمے کہیں نہیں ہیں، بہاری گاؤں اور اس کے افراد کی تصویر اس فنی صناعی اور چابکدستی سے کھینچتے ہیں کہ افسانے کی دلکشی دوبالا ہو جاتی ہے۔ غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے بہت پرہیز کرتے ہیں۔ اپنی تحریرات میں کم گو مگر پر گو ہیں، اسے ان کے انداز تحریر کا اعجاز سمجھنا چاہیئے۔"

اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے کہ سہیل عظیم آبادی نے غریب، مزدور، کسان اور متوسط طبقے کے لوگوں کی زندگی کا بغائر مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ اس سلسلے کے اہم افسانوں کے نام "دوستی" "الاؤ"، "جینے کے لئے"، "وقت کی بات"، "چوکیدار"، اور "اپنے پرائے" وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ افسانہ "دوستی" میں دیہات کی زندگی، یہاں کی معاشرت اور یہاں کے بلند اخلاق کی بھرپور عکاسی ہے۔ افسانہ "الاؤ" ان کے شاہکار افسانوں میں سے ایک ہے۔ اس میں دیہی زندگی، اس کے جیتے جاگتے کردار اور غریب کسانوں پر ظلم و ستم کی تصویریں بڑی صاف نظر آتی ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"........ بھیّا بات پتے کی ہے، ہم لوگوں پر جتنا ظلم ہوتا ہے، اسے کون جانے۔ سال بھر محنت کرکے اپجاتے ہیں اور ہمارے ہی بال بچے بھوکوں مرتے ہیں ........"

"........ مشکل کیا ہے؟ آج سے ہم لوگ ٹھان لیں کہ آپس میں مل جل کر رہیں گے۔ زمیندار کو بیگار نہیں دیں گے۔ کوئی ناجائز دباؤ نہیں سہیں گے۔"

افسانہ "چوکیدار" بھی سہیل صاحب کا لازوال افسانہ ہے۔ اس میں گاؤں کے ایک معصوم اور غریب انسان "رام لال" کی کہانی ہے۔ "رام لال" غریب و افلاس اور معصومیت و انسانیت کا پتلا ہے ٹھیک اس کے برعکس "ڈپٹی مجسٹریٹ صاحب" سرمایہ دارانہ و زمین دارانہ نظام کے علمبردار ہیں۔ ان افسانوں کے مطالعہ کے بعد یقینی طور پر زمیندار و سرمایہ دار طبقہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۰ء کے درمیان سہیل صاحب نے جو افسانے لکھے ان میں کچھ اچھے اور کچھ کام چلاؤ ہیں۔ اس فہرست میں "آدھی کہانی"، "گرو آیا"، "دماغ کی فتح"، "سوغات"، "ایک سوال" اور "وہ آئیں گے" ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۰ء تک جو افسانے لکھے گئے ان میں "نئے پرانے"، "یہاں سے وہاں تک"، "ایک سفر"، "عمل اور درعمل"، "غیر آسودہ"، "خدا کی دین" اور "پتھورا" وغیرہ اچھے افسانے ملتے ہیں۔ یہ افسانے تیر و نشتر سے پر ہیں۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۰ء تک انہوں نے جو افسانے لکھے وہ آج تک لوگوں کے ذہن میں قید ہو چکے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جس نے انہیں بام عروج پر پہنچایا۔ اس دور کے افسانے "غیرت"، "کاغذ کی ناؤ"، "کھوسٹ"، "دل کا کانٹا"، "اسٹیشن پر"، "کمزوری"، "کل وہ مر گیا"، "غائب خانہ" اور "گیت ناچ اور موت" وغیرہ مشہور ہیں۔ یہ افسانے قاری کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں اور سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۹ء کے دوران جو افسانے لکھے گئے ان میں "استاد"، "کہانی"، "دھوپ"، "اندھیرا اجالا"، "پارک"، "افسانہ نگار"، وغیرہ جیسے بلند پایہ افسانے ہیں۔

عام طور پر سہیل صاحب کے کردار غریب، مزدور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اختر اورینوی صاحب ان کی افسانہ نگاری سے متعلق فرماتے ہیں:

"آپ کردار نگار سے زیادہ ماجرا نگار ہیں"

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سہیل صاحب کے افسانوں میں ماجرا نگاری کے ساتھ کردار نگاری بھی فن کارانہ طور پر پیش ہوتی ہے۔ سہیل صاحب کے افسانوں میں کچھ خامیاں بھی ہیں جن میں سب سے اہم خامی یہ ہے کہ بعض اوقات ایک ہی بات کئی جگہ دہراتے ہیں۔ اس سے افسانے کا فن مجروح ہوتا ہے۔ یہ خامی خاص طور سے ان کے تیسرے مجموعے "چار چہرے" میں ملتی ہے۔

یہ سب درست مگر کیا کوئی سہیل عظیم آبادی کی افسانہ نگاری کی عظمت سے چشم پوشی کر سکتا ہے؟ جہاں افسانوی ادب میں پریم چند، بیدی، کرشن چندر، عصمت، منٹو، علی عباس حسینی

وغیرہ کا ذکر آئیگا۔ کیا وہاں سہیل کی تصویر بھلا دی جائے گی؟ ایسا ممکن ہی نہیں کیونکہ سہیل نے جو طرز ادا مضمون آفرینی اور جدت ادا کا اختراع کیا وہ اپنے آپ میں انوکھا ہے جو انہی کی ذات سے مختص ہے۔ لہٰذا افسانوی ادب میں سہیل کی شخصیت بے کم و کاست مسلّم ہے۔

٭ ٭ ٭